۸/دسمبر ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۴۶

اس شمارے میں

ادارایہ

انیسؔ کی صد سالہ یادگار

دسمبر ۱۹۷۴ء میں اردو کے عظیم شاعر میر انیس کی وفات کو سو سال پورے ہو جائیں گے۔ لکھنؤ میں آٹھ سال سے ایک انیس میموریل کمیٹی کام کر رہی ہے جس کے روح رواں اردو کے مشہور محقق اور نقاد پروفیسر مسعود حسن رضوی ہیں، اس کمیٹی نے تقریباً تیس ہزار روپے کے صرف سے انیس کے مزار کی مرمت کرائی ہے اور انیس کی محل سرا کو خرید کر اس کی بھی مرمت کرا رہی ہے۔ اس کے اہم مقاصد میں انیس اکیڈمی، انیس میوزیم اور انیس لائبریری کا قیام بھی ہے۔ انیس میموریل کمیٹی نے ایک اپیل حال میں شائع کی ہے جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دسمبر ۱۹۷۴ء میں انیس کی صد سالہ یادگار منائی جائے اور اس موقع پر انیس پر بلند پایہ نقادوں کے مضامین کا مجموعہ شائع کیا جائے، جلسے کئے جائیں اور دلدادگان شعر و ادب کو انیس کی شاعرانہ عظمت سے روشناس کرایا جائے۔ یہ سب کام بڑے پیمانے پر کرنے کے لئے خاصے سرمائے کی ضرورت ہوگی جس کے لئے کمیٹی نے ہندوستان کے خاص خاص شہروں میں کچھ اردو دوستوں کو نامزد کیا ہے تاکہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں ذیلی کمیٹیاں بنا کر اس کام میں دامے، درمے، سخنے، قدمے مدد دیں۔

اپنے مشاہیر کے کارناموں کا اعتراف کرنا، ان کی یاد تازہ کرنا اور اس طرح ادب کے کارواں کو آگے بڑھانے کے لئے نیا ولولہ پیدا کرنا، ہم سب کا فرض ہے۔ گزشتہ سال غالب کی صد سالہ یادگار نہ صرف ہندوستان اور پاکستان میں، بلکہ ساری دنیا میں منائی گئی۔ بلاشبہ اس سے اردو زبان و ادب کو ایک نئی تقویت ملی اور آئندہ کے لئے ایک نئی توانائی حاصل ہوئی۔ انیس بھی ہمارے بہت بڑے شاعر ہیں، ان کا مقابلہ غالب سے ضروری نہیں کیونکہ بعض حیثیتوں سے غالب زیادہ بلند ہیں اور بعض حیثیتوں سے انیس، اسی طرح بعض پہلوؤں سے میرؔ زیادہ بڑے نظر آتے ہیں اور بعض پہلوؤں سے نظیرؔ اکبرآبادی۔ یہی حال اقبال کا ہے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے عظیم شاعروں میں بالاتفاق یہی نام آتے ہیں۔ حالی نے درست کہا ہے کہ انیس نے بیان کرنے کے لئے نئے نئے اسلوب اردو شاعری میں کثرت سے پیدا کر دئے۔ ایک ایک واقعہ کو سو سو طرح سے بیان کر کے قوت متخیلہ کی جولانیوں کے لئے ایک نیا میدان صاف کر دیا اور زبان کا ایک معتد

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

حصّہ جس کو ہمارے شاعروں کی قلم نے مس تک نہیں کیا تھا اور جو محض اہل زبان کی بول چال میں محدود تھا اس کو شعرا سے روشناس کرادیا" انیس نے اردو نظم کو بلندی بھی عطا کی اور وسعت بھی اور انھوں نے ہمارے لئے ایک ایسا گراں قدر سرمایہ چھوڑا جسے ہم کسی حال میں اور کسی دور میں نظر انداز نہیں کرسکتے۔ مولانا آزاد نے ایک دفعہ یوم غالب کے ایک جلسے کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اردو شاعری میں اگر کچھ حصّہ ایسا ہے جسے عالمی ادب کا جز کہا جاسکتا ہے تو اس میں غالب کی غزلیں اور انیس کے مرثیے ضرور آئیں گے"۔ اس لئے انیس کے شایان شان ان کی صد سالہ برسی کی تقریبات منانا اور ان کی عظمت دنیا پر واضح کرنا ہم سب کے لئے نہایت ضروری ہے۔

ہماری رائے میں اس موقع پر انیس میموریل کمیٹی کو انیس کے سارے کلام کا ایک مستند اور صاف ستھرا ایڈیشن ضرور شائع کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ ایک ایسا انتخاب بھی جو کم دام زیادہ سے زیادہ تعداد میں خرید سکیں اس موقع پر بھی ضروری ہوگا کہ نہ صرف ہندی اور انگریزی میں بلکہ ہندوستان کی تمام اہم زبانوں میں انیس پر ایسی کتابیں شائع کی جائیں جن میں حالات کے ساتھ ہی منتخب کلام کے ترجمے بھی ہوں۔ ہماری سفارش پر ساہتیہ اکاڈمی نے انگریزی میں انیس پر ایک کتاب شائع کرنا منظور کرلیا ہے اور یہ دسمبر ۱۹۷۴ء تک ضرور شائع ہوجائے گی۔ ہماری یہ بھی رائے ہے کہ لکھنؤ کے علاوہ دہلی اور دوسرے اہم مقامات پر بھی بڑے پیمانے پر جلسے کرنے کے انتظامات ابھی سے کئے جائیں۔ لکھنؤ میں اس موقع پر ایک ایسی علمی و ادبی نمائش بھی ہونی چاہئے جس میں اس زمانے کے ادیبوں، شاعروں، فنکاروں، عالموں کے آثار جمع کرنے کے علاوہ اس زمانے کی معاشرت اور تہذیب کے سارے نقوش فراہم کئے جائیں۔ اس موقع پر تحت اللفظ مرثیہ پڑھنے کے لئے اجتماع بھی ہونے چاہئیں۔ ایک یادگار ٹکٹ بھی حکومت کی طرف سے جاری ہونا چاہئے۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں انیس کے نام پر ایک چیئر (CHAIR) بھی قائم ہونا چاہئے۔ انیس پر ایک ڈاکومنٹری فلم بھی تیار کرانی چاہئے۔

ہمیں امید ہے کہ اردو دوست دسمبر ۱۹۷۴ء میں بڑے پیمانے پر انیس کی یاد میں سارے ملک میں جلسے کریں گے اور جن کاموں کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان کو انیس میموریل کمیٹی کے تعاون سے یا اپنے طور پر انجام دینے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں ضروری خط و کتابت سکریٹری انیس میموریل کمیٹی، ادبستان، دین دیال روڈ لکھنؤ سے کی جاسکتی ہے۔

شہریار کا دوسرا مجموعہ "ساتواں در" شائع ہوگیا

الہ آباد۔ ادبی حلقوں میں اس خبر کا خیر مقدم کیا جائے گا کہ شہریار کا نیا مجموعہ "ساتواں در" شائع ہوگیا ہے۔ یہ مجموعہ مکتبہ شب خون ۳۱۳ رانی منڈی الہ آباد نے شائع کیا ہے اور وہیں سے تین روپے میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔

• منیجر مکتبہ شب خون

فروغ اردو لکھنؤ کا مولانا عبدالماجد دریابادی نمبر

لکھنؤ۔ اردو کے صاحب طرز ادیب اور نامور صحافی و انشاء پرداز مولانا عبدالماجد دریابادی کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ماہنامہ فروغ اردو لکھنؤ مستقبل قریب میں ایک یادگار اور ضخیم عبدالماجد دریابادی نمبر شائع کر رہا ہے جس میں اردو کے ممتاز ادیب و شاعر مولانا عبدالماجد کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالیں گے۔

قلمکاروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مضامین، مقالے اور منظومات، مدیر ماہنامہ فروغ اردو ۳۷ امین آباد پارک لکھنؤ کے پاس ۱۲ر جنوری ۱۹۷۱ء تک روانہ فرمائیں۔

• محمد رفیق سکریٹری

اردو گولڈ میڈل

دلی۔ دلی یونیورسٹی نے ہر سال تخلیقی کاموں کے لئے گولڈ میڈل دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ میڈل دلی کے ناول نگار جناب ہرشچندر کھنہ پالیہ کی یاد میں شروع کیا گیا ہے۔ انھوں نے چار ہزار روپے یونیورسٹی کو عطیہ کے طور پر دئے تھے وہ ایک ماہر تعلیم اور اردو کے دلدادہ تھے۔ یہ میڈل ہر سال یونیورسٹی کے طلبہ کو نظم، نثر یا ڈرامے پر دیا جائے گا۔

(الجمعیۃ)

تغلق آباد نئی دہلی میں اسلامک انسٹی ٹیوٹ کے پروگرام پر کام شروع

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی نئی عمارت تغلق آباد نئی دہلی میں تعمیر ہونے والی ہے۔ اس ادارہ نے ابتک سب کام اس کے صدر جناب حکیم عبدالحمید صاحب کی امانت سے پورے ہوتے رہے ہیں اس کے لئے انھوں نے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے جسے وہ اپنی جانب سے پندرہ لاکھ روپیہ کی مالیت کے اثاثہ جات دے چکے ہیں۔ اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے بھی اور اپنے مقاصد کے اعتبار سے بھی یہ ادارہ دنیا کا سب سے بڑا اسلامک سنٹر ہوگا۔ ادارہ کی مرکزی لائبریری میں پندرہ لاکھ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب ہونگی اسکے ایک شعبہ میں وہ اسلامک لٹریچر جمع کیا جائیگا جو ہندوستان میں اب تک تیار ہوا ہے۔ ادارہ میں اسلامی علوم و فنون کا ایک میوزیم بھی ہوگا۔

ڈاکٹر گیان چند جین

دیوان غالب کا متنازع مخطوطہ

۸۔ مخطوطے میں ایک مصرع یوں تحریر ہے۔

شرار فرصتے سرمایہ چمن میں جو اغاں ہے

اس کے ابتدائی الفاظ کاٹ کر ان پر دوسرے الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں جس سے قلم زدہ اور اصلاح شدہ مصرع کی یہ شکل ہو جاتی ہے۔

شرار فرصت نگہ ساماں یکعالم چراغاں ہے

ڈاکٹر انصار اللہ کا اعتراض ہے کہ فرصتے میں اضافت کو یائے مجہول کی شکل میں لکھا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ "فرصتے" کے جو بھی کچھ معنی ہوں اس کے آخر میں اضافت نہیں۔ فرصتِ سرمایہ کے کوئی معنی نہیں۔ اس سے قطع نظر قلم زدہ مصرع غیر موزوں بھی ہے بے معنی بھی۔ اس کے قلم زدہ حصے کا اسرار مجھ پر عیاں نہیں ان اغلاط عروض و اغلاط کتابت کی نشان دہی کے لیے ہم ڈاکٹر انصار اللہ کے ممنون ہیں۔ ان اغلاط کا کاتب یا تو غالب نہیں اور اگر اسے ہم غالب قرار دیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ غیر موزوں طبع یا لا پروا قسم کے محرر تھے۔

اگر یہ نسخہ غالب کے ہاتھ کی تحریر نہیں تو کسی ایسے شخص کی تحریر ہے جو غالب کے نزدیک تھا۔ اس نے غالب کی نوجوانی کے کلام کی نقل اپنے پاس محفوظ کر لی۔ کچھ عرصے بعد اسے معلوم ہوا کہ غالب نے اپنے کلام میں کہیں کہیں اصلاح کی ہے اور کچھ غزلوں کو قلم زد کر دیا ہے۔ اس شخص نے یا اس کے کسی معتبر نے غالب کا ذاتی نسخہ لے کر اپنے مخطوطے میں مصرعوں کو کاٹ کوٹ کر اصلاحیں کر دیں، کچھ غزلیں قلم زد کر دیں۔ بعد میں کسی اور شخص نے تازہ تخلیقات حاشیے پر بڑھا دیں۔

نسخہ اگر غالب کے ہاتھ کا نہیں تو اصلاحوں کی محض مندرجہ بالا تاویل سمجھ میں آتی ہے۔ اسی صورت میں دم چند رہا، والی غزل میرامانی اسدی کی ہو سکتی ہے۔

مخطوطے کی تاریخ تحریر۔ ڈاکٹر انصار اللہ کا خیال ہے کہ نیا مخطوطہ اولین نسخہ بھوپال کے بعد کی کتابت ہے۔ انھوں نے اپنی تائید میں دونوں کے متنوں سے جو مثالیں دی ہیں۔ ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) نو دریافت مخطوطے میں ایک غزل کے شروع میں ایک مطلع لکھ کر اس طرح کاٹ دیا گیا ہے کہ پڑھا نہیں جا سکتا۔ نثار احمد فاروقی نے نقوش میں اسے یہ قیاس کیا ہے۔

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

چونکہ یہ مطلع نسخہ حمیدیہ میں موجود ہے اسی سے ڈاکٹر نظر نے استدلال کیا کہ نئے مخطوطے میں اسے نسخہ بھوپال کی کتابت کے بعد ہی قلم زد کیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے دو لفظوں کے علاوہ اس قلم زد مطلع کو پڑھنا ممکن ہی نہیں۔ صرف پہلے دو الفاظ پر "ہر قدم" کا احتمال ہوتا ہے یقین نہیں۔ آگے کے الفاظ بالکل اندھیری کوٹھری میں۔ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ قلم زدہ مطلع نسخہ حمیدیہ والا مطلع ہے۔

(۲) نسخہ حمیدیہ کا مقطع ہے۔

اسد کوبت پرستی سے غرض درد آشنائی ہے
نہاں ہے نالۂ ناقوس میں در پردہ یا رب ہا

ڈاکٹر انصار اللہ کے بقول نئے نسخے میں اصلاً "سے غرض" لکھا تھا جسے کاٹ کر بعد میں "عالم" کر دیا۔ گویا نو دریافت نسخے کی اصلاح نسخہ بھوپال کے متن سے بعد کی ہے۔

مخطوطے کے عکس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قلم زد لفظ "سے غرض" ہرگز نہ تھا کچھ اور تھا مثلاً "موجب" اور "مہر" وغیرہ۔ نیچے کا نقطہ اب بھی موجود ہے۔

حرمت الاکرام

غزل

دل و دانش کے تقاضوں میں کہیں ربط نہیں
کوئی پامال گماں ہے کوئی پامال یقیں
کتنی بے مہر ہوئی جاتی ہے آغوش زمیں
زندگی کھینچتی ہے انساں سے اجل اور کہیں
سوچتا ہوں کہ یہ کس طرح کی محرومی ہے؟
سب کچھ انساں کا "انسان خود اپنا ہی نہیں
صرف اک ہجیر چلی جاتی ہے رستے رستے
نہ کوئی خانہ نشیں ہے نہ کوئی بزم نشیں
تیرا کوچہ تھا کہ مقتل اور کوئی راہگزر
کیا خبر، زندگی کھو آئی کہاں دل کا نگیں؟
سوچتا یہ ہے، خطا دار کسے ٹھہرائیں
آدمی خاک نشیں آدمی افلاک نشیں
راہ تکتے ہوئے اس لمحے کی، مدت گزری
اپنے محور پہ ذرا دیر کو رک جائے زمیں!
نہ چراغ کتاب ہے کوئی شعلہ نہ اٹھتا ہے دھواں
اک شرارہ سا ہے قرنوں سے دل جاں میں مکیں
بے ستوں اپنی چٹانیں لئے آ رہا ہے
تیشہ کو فکر ہے نہ جمال شیریں
کوئی پتھر ہے نہ ٹھوکر، یہ سفر ہے کیسا؟
وہ مسافر ہوں کہ رستے میں فلک ہے نہ زمیں
چھپ گئی فردوس تو یہ سانحہ گزرا حرمت
اپنے ہی نور سے دھندلا گئی آدم کی جبیں

(۳) آئینہ خانہ ہے صحنِ چمنستاں یکسر
بسکہ میں بے خود و وارفتۂ حیرانِ گل ہے

نسخۂ بھوپال میں یکسر ہے۔ نودریافت نسخے میں یکسر کو یکدست بنایا ہے۔ مجھے تسلیم ہے کہ اس مثال میں نودریافت مخطوطے کی اصلاح نسخۂ بھوپال سے بعد کی ہے۔

(۴) نسخۂ حمیدیہ میں ایک مقطع یوں چھپا ہے:

نہ دیکھیں روئے یک دل سرد غیر از شمع کافوری
خدایا اس قدر بزمِ اسد گرمِ تماشا ہو

نودریافت نسخے میں اصلاً دوسرا مصرع اسی طرح لکھا تھا بعد میں کاٹ کر یوں بنا دیا گیا۔

ع خدایا بزمِ غالب اس قدر گرمِ تماشا ہو

لیکن نسخۂ بھوپال نیز نسخۂ شیرانی میں پہلی صورت ہی برقرار ہے۔ اس غیر معمولی صورت سے کیا نتیجہ نکالا جائے اس کے لئے ذیل کی دو حقیقتیں پیشِ نظر رکھی جائیں۔

ا۔ نودریافت نسخے میں سیکڑوں مصرعوں کا متن نسخۂ بھوپال سے قدیم تر ہے۔ متعدد مثالیں ایسی ہیں جن میں نودریافت مخطوطے کی اصلاحیں نسخۂ بھوپال میں قبول کر لی گئی ہیں۔ صرف دو چار مثالیں ایسی ہیں جہاں نودریافت مخطوطے کی اصلاحوں کو نسخۂ بھوپال میں رد کر دیا گیا۔

ب۔ نسخۂ بھوپال میں نودریافت مخطوطے کے مقابلے میں کلام کی مقدار بہت زیادہ ہے اور مزید کلام میں بہت سا وہ ہے جو بعد کے دواوین میں برقرار رہا۔

ان دونوں اصلیتوں کے پیشِ نظر یہ یقینی ہے کہ نیا نسخہ اولین نسخۂ بھوپال سے قدیم تر ہے۔

نئے نسخے کی چند اصلاحوں کے نسخۂ بھوپال میں جگہ نہ پانے کی ذیل میں مندرج دو میں سے کوئی تاویل کی جا سکتی ہے۔

ا۔ نودریافت نسخے میں یہ چند اصلاحیں نسخۂ بھوپال کی کتابت ۱۲۳۷ھ کے بعد وجود میں آئیں۔

ب۔ غالب اپنے کلام میں بار بار اصلاح کیا کرتے تھے۔ ایک متن کو کاٹ کر دوسرا متن لکھ دیتے تھے اور اس کے کچھ عرصے کے بعد پہلے متن پر واپس آ جاتے تھے مثلاً

(۱) نودریافت نسخے میں ایک مصرع ہے

ع بہ رہنِ شرم ہے باوصفِ شوخی اہتمام اس کا

نسخۂ بھوپال میں شوخی کی جگہ 'شہرت'۔ نسخۂ شیرانی میں پھر 'شوخی' اور متن رعنا میں پھر شہرت ہے۔

(۲) عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

نودریافت نسخے میں 'عارضِ گل' ہے۔ نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی، نسخۂ رام پور قدیم اور دیوان کی طبع اول ۱۸۴۱ء میں عارضِ گل کی جگہ جلوۂ گل کر دیا ہے لیکن طبع دوم ۱۸۴۷ء اور اس کے بعد کے ایڈیشنوں میں 'عارضِ گل' پر واپس آ گئے ہیں۔ اس تنہا مثال کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ نودریافت نسخہ دیوان کی طبع اول ۱۸۴۱ء کے بعد کا مکتوبہ ہے۔ میری ناقص رائے میں مذکورہ چند اصلاحوں کی یہی تاویل کی جانی چاہئے نئے نسخے کا متن یقیناً نسخۂ بھوپال سے اولیٰ ہے۔

اس نسخے کے مختلف اندراجات کے کئی ایسے پہلو ہیں جن کی قابلِ تشفی تاویل نہیں ہو سکتی۔ موجودہ معلومات تمام گتھیاں کھولنے سے عاجز ہیں مثلاً کچھ مقطعوں میں اسد تخلص درج ہے کچھ میں نہیں۔ بعض اوقات ایک ہی صفحے کے دو مقطعوں میں سے ایک پر اسد تخلص لکھ دیا ہے دوسرے پر حذف ہے، ایسا کیوں۔ ترقیمے میں سنہ کے اعداد کیوں نہیں لکھے ان کے لکھنے یا نہ لکھنے کی قطعی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ والیانِ رام پور کے نام کے کئی خطوط میں غالب نے ہجری مہینہ اور اس کی تاریخ درج کی ہے لیکن سنہ نہیں لکھا۔ ہاں ایسی مثال شاید ہی کہیں اور ہو جہاں 'سنہ' لکھ کر اس پر اعداد نہ لکھے ہوں۔ موجودہ ترقیمے میں یہ کیوں ہوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکٹر حامد حسین اور ڈاکٹر انصار اللہ کو شبہ ہے کہ یہ کسی محقق جعل ساز کا کارنامہ ہے۔ اس نے ہجری مہینہ، اس کی تاریخ اور دن لکھ دیا۔ اس کے بعد تلاش میں رہا کہ کہیں سے تقویم مل جائے تو دیکھے کہ کس کس سال میں اس ماہ و تاریخ کو وہ مخصوص دن پڑا تھا۔ یہ تحقیق کر کے وہ سنہ کے اعداد درج کرتا۔

میری رائے میں وہ اناڑی قسم کا جعل ساز تھا محقق قطعی نہیں۔ اسے دن کے پھیر میں پڑنے کی ضرورت ہی نہ تھی فوراً علاوہ سنہ، ماہ و تاریخ لکھ سکتا تھا۔ تقویم کی ضرورت نہ تھی اور پھر جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس نے اپنے جعل کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ مالی منفعت پہنچنا تو درکنار وہ اپنی کارگزاری کو شہرت بھی نہ دے سکا۔ معلوم ہوتا ہے بیچارہ کاتب جعل ساز نہ تھا۔ پھر سنہ کے اعداد کیوں حذف ہو گئے' میں قیاس کرنے سے قاصر ہوں۔

اس مخطوطے کو غالب کے خود نوشت مکاتیب سے ملا کر دیکھا جائے تو مشابہتیں ایسی دکھائی دیتی ہیں کہ ڈاکٹر انصار اللہ کے عالمانہ اعتراضات کے باوجود اسے غیر غالب کی تحریر قرار دینے کو جی نہیں چاہتا لیکن انصار صاحب کے تمام اعتراضات کا شافی جواب بھی ممکن نہیں، اس لئے ایک تشکیک کی کیفیت باقی رہ جاتی ہے۔ میں دوسرے حضرات کے مطالعوں سے روشنی پانے کا منتظر ہوں۔ میری تجویز ہے کہ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی اگر اس مخطوطے پر ایک سیمنار منعقد کرے تو بڑی دلچسپ، پر مغز اور معلومات افزا بحث رہے۔ ان تمام حضرات کو مدعو

(باقی صفحہ ۷ پر)

مراسلات

ترقی اردو بورڈ اور اردو کا مستقبل

یہ بات اب عام طور پر معلوم ہو چکی کہ حکومت ہند نے چوتھے پنج سالہ منصوبہ میں اردو کی ترقی کے لئے ایک کروڑ کی رقم منظور کی ہے، یہ بحث الگ ہے کہ ۲۴ سال بعد اردو کے لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ رقم گرانقدر کہی جا سکتی ہے یا نہیں، بہر حال حکومت کا شکر گزار ہونا ہر حامی اردو کے لئے ضروری نہ بھی مناسب ضرور ہے، حکومت نے یہ امداد اس لئے دی ہے کہ اس رقم سے اردو زبان میں جدید علوم و فنون کی کتابیں انگریزی اور دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے ترجمہ کرا کے شائع کی جائیں تاکہ یونیورسٹیوں کے ملئے اردو میں ہر فن کی نصابی کتابیں مہیا ہو جائیں۔ طلبہ اور اساتذہ کو پڑھنے پڑھانے میں دشواری نہ ہو، اسی مقصد کے لئے ترقی اردو بورڈ کا قیام عمل میں آیا ہے، اردو کے حامی ادیب دانشور، قومی رہنما سب ہی نے اس پر کم و بیش اظہار مسرت کیا، بورڈ نے پانچ سو سے زیادہ اردو کتابیں شائع کرنے کا انتظام شروع کر دیا ہے اب تک کی اطلاعات کے مطابق کتابوں کے ترجمے کا کام مترجمین کے سپرد کیا جا چکا ہے،

اسی سلسلہ میں کچھ کمیاب کلاسیکی کتابیں ایڈٹ کرا کے شائع کرانے کا اہتمام بھی کیا جا رہا ہے اور بچوں کے لئے کچھ کتابیں خاص طور سے مرتب کرا کے اور ترجمہ کرا کے چھپوائی جائیں گی۔ یہ دونوں کام مفید اور وقت کی ضرورت کے اعتبار سے قابل توجہ تھے۔

میں یہاں اس بڑے کام کے متعلق کچھ حقائق زیر بحث لانا چاہتا ہوں جس کا تعلق پانچ سو سے زیادہ نصابی کتب ترجمہ کرا کے یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لئے شائع کرانے سے ہے۔

اردو کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کی ضرورت تو اس وقت پیش آئے گی جس وقت کسی کالج یا یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم اردو ہوگا اردو ذریعہ تعلیم کی ایک عظیم الشان یونیورسٹی مع اردو نصاب اور اپنے دار الترجمہ کے ہندوستان میں موجود تھی مگر اس کو بالجبر اردو ذریعہ تعلیم سے محروم کر دیا گیا اگر یہ کہا جائے کہ پہلے کتابوں کا انتظام ہو تو پھر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ذریعہ تعلیم اردو کے لئے آسانی فراہم کی جائے گی، تو گزارش یہ ہے کہ پڑھنے والے طلبہ کہاں سے آئیں گے، اردو میں سائنس جغرافیہ، اکنامکس، کامرس وغیرہ وہی طلبہ تو پڑھیں گے جو ثانوی درجات میں مذکورہ مضامین اردو میں پڑھ کر آئیں گے اور حال یہ ہے کہ کہیں بھی ثانوی درجات میں باقاعدہ یہ مضامین اردو میں نہیں پڑھائے جاتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ آئندہ پڑھائے جائیں گے تو پھر وہی سوال سامنے آتا ہے کہ طلبہ کہاں سے آئیں گے جب پرائمری اور جونیئر ہائی اسکولوں میں عام طور سے اردو نہیں پڑھائی جاتی اور جہاں پڑھائی جاتی ہے وہاں باقی تمام مضامین ہندی یا انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں یا دیگر علاقائی زبانوں میں۔ اس لئے ایسے طالب علم دوسرے مضامین کی تعلیم اردو میں حاصل کرنا چاہیں گے تو ان کے لئے کیسی کیسی دشواریاں ہوں گی۔

اردو کے مستقبل کو روشن کرنے کے لئے اس وقت سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ اردو کے علاقوں میں بنیادی تعلیم کا بہتر انتظام کیا جائے اور تمام مضامین کی تعلیم اردو میں دی جائے اردو اساتذہ اور دیگر مضامین کے اساتذہ کو اردو کے ذریعہ پڑھانے کی ٹریننگ دی جائے۔ موجودہ ٹریننگ کالجوں میں اردو کو بھی بحیثیت ایک مضمون لازمی قرار دیا جاتا۔ اردو اساتذہ کی بہت کمی ہے برسوں سے ان کے لئے ٹریننگ کا کوئی انتظام نہیں ہے، کیا یہ ضروری اور مناسب نہ تھا کہ ترقی اردو بورڈ کے ارباب حل و عقد اور اس کی کمیٹیوں کے ممبر حکومت پر زور دیتے کہ اس رقم کا بیشتر حصہ ابتدائی تعلیم اور اساتذہ کی ٹریننگ پر صرف کیا جائے، یونیورسٹیوں کی نصابی کتب کے تراجم و تصانیف کی تیاری اور اشاعت کا کام بہت سے اشاعتی ادارے بھی کر سکتے ہیں، یہ کام انجمن ترقی اردو اگر چاہے تو بہتر طریقہ پر انجام پا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی کئی بڑی یونیورسٹیوں میں تحقیقات و نشریات کے سکشن موجود ہیں جہاں معیاری کلاسیکی کتب ایڈٹ کرا کے شائع کی جاتی ہیں اہم غیر مطبوعہ مسودات کی اشاعت بھی عمل میں آ رہی ہے، اسی کے ساتھ مختلف مضامین کے تراجم کا کام بھی بڑھایا جا سکتا ہے جو اردو ذریعہ تعلیم کے موجودہ طلبہ کی تعداد کے پیش نظر کافی ہو سکتا ہے اور حسب ضرورت بتدریج یہ کام بڑھایا جا سکتا ہے اور اسی ذریعہ سے تصانیف و تراجم کا معیار بھی قائم رہ سکتا ہے۔

اردو کو جو رقم ملی ہے اور جسے حکومت کی فیاضی سمجھ کر بہت اہمیت دی جا رہی ہے اس کی حیثیت اور حقیقت کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب ۲۴ سالہ اردو دشمنی کا پس منظر اور اس کی تاریخ پیش نظر ہو، اب تک اردو کو ختم کرنے کے سلسلہ میں جو رقم جائز و ناجائز خرچ ہو چکی وہ اس تخمینہ سے کہیں زیادہ ہے اسی طرح اب تک تو اردو والوں نے انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اردو مہم پر جو صرف کیا ہے وہ بھی

اس رقم سے زیادہ ہی نکلے گا۔ پھر اس کو اگر اتفاق سمجھ کر صرف خوش ہو نا کافی نہیں۔ کم سے کم ہمارے بزرگوں اور اردو تحریک کے سلسلے کے رہنماؤں (چاہے وہ بزعم خود ہوں یا عوام نے انھیں تسلیم کیا ہو) کو خلوص کے ساتھ سوچنا چاہئے کہ اس وقت اردو کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے بنیادی تعلیم اور اساتذہ کے ٹریننگ کالجوں کی اشد ضرورت ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اردو رسم الخط اور فن کتابت کی ترقی و ترویج کے لئے ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کرنا بہت ضروری ہے، کتابت کا فن مائل بہ تنزل ہے، بہتر اور معیاری لکھنے والوں کی کمی ہے، فن کے رموز و نکات سکھانے والے اساتذہ بھی کم ہوتے جاتے ہیں جو باقی ہیں ان کی خدمات حاصل کی جائیں اور دہلی یا لکھنؤ میں ترقی اردو بورڈ ایک ایسا انسٹی ٹیوٹ قائم کر دے تو یہ اردو کی بڑی خدمت ہوگی، دہلی اور لکھنؤ اس فن شریف کے قدیم مرکز اور نشو و نما کا گہوارہ رہے ہیں، اور اب بھی ان کا دامن ماہر فن اساتذہ سے خالی نہیں۔

مجھے مسرت ہے کہ اس مضمون کی تکمیل کے دوران مرکزی وزیر تعلیم کی ایک تقریر نظر سے گزری جو انھوں نے اردو بورڈ کے جلسہ میں کی تھی، جس میں اردو کتابت کی ترقی کا بھی ذکر ہے یہ بڑی امید افزا بات ہے۔ اگر اردو بورڈ نے صرف انگریزی وغیرہ زبانوں سے تراجم کرانے میں ہی یہ رقم صرف کر دی تو سوا اس کے کچھ نتیجہ نہ ہوگا کہ اردو کے نام پر صرف جلب منفعت کی خاطر پیش پیش رہنے والے خود اور اپنے احباب و انصار کو نوازیں گے، اردو غریب تو جہاں ہے وہیں رہ جائے گی اس کی ترویج و اشاعت صرف انھیں غریب اور پر جوش اور خلوص سے کام کرنے والے چھوٹے اداروں اور محنت اور لگن سے کام کرنے والے کچھ کارکنوں کے ہاتھوں ہوگی اور وہی آئندہ بھی اردو کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کی مسلسل جد و جہد کرتے رہیں گے۔ نصابی کتب کے تراجم اور ان کی اہمیت اور مترجمین کے سلسلہ میں علٰحدہ روشنی ڈالی جائے گی درون پردہ حقائق کو زیر بحث لانا ضروری ہے۔

دہلی • امیر حسن نورانی

صفحہ ۴ سے آگے

نیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے اس نسخے کا دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا ہے یا دوسروں کے مطالعے میں دیدہ ریزی سے کرشمے نکالے ہیں۔

▲

نزہت کیفی

مشرقی پاکستان کے حالیہ طوفان سے متاثر ہوکر

بے قابو موجوں کا غصّہ طوفانی راتوں کا عتاب
عالم عالم غم کی لہریں دنیا دنیا چیخ پکار

سورج نے بھی بھینچ لیں آنکھیں اوڑھ کے ابر آلود نقاب
بے قابو موجوں کا غصّہ طوفانی راتوں کا عتاب

عظمت انساں دیکھ رہی ہے جاہ و جلال شورش آب
فطرت کی بے باک نگاہی نے چاٹا صدیوں کا نکھار

بے قابو موجوں کا غصّہ طوفانی راتوں کا عتاب
عالم عالم غم کی لہریں دنیا دنیا چیخ پکار

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

تمنا کا دوسرا قدم

مصنف: صبا وحید قریشی
ناشر: نیو لٹریچر ۵۵ بستی نظام الدین پوسٹ آفس درگاہ۔ نئی دہلی ۱۳
صفحات: ۱۹۰ قیمت: پانچ روپے

پہلا نقش

مصنف: احمد رشید
ناشر: انڈین بک بائنڈنگ ہاؤس پھپھاں علی گڑھ
صفحات: ۶۴ قیمت: دو روپے

سیما کی تلاش

مصنف: عابد رضا بیدار
ناشر: مسلم پروگریسیو پریس نئی دہلی
صفحات: ۵۴ قیمت: پانچ روپے

آنکھوں سے شہتیر

مصنف: رفیع الدین احمد
ناشر: رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز
صفحات: ۵۵
قیمت: پانچ روپے

▲

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے کرنول میں سالانہ جلسہ کا پروگرام

ہفتہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۰ء۔ اسلامیہ عربک کالج، عبدالحق ہال

(۱) صبح (۱۰) بجے اردو کے اساتذہ کا مشاورتی جلسہ۔

(۲) سہ پہر میں (۲) بجے انجمن کی شاخوں کے عہدے داروں کا خصوصی اجتماع (اس اجتماع میں صوبائی انجمن کی مجلس عاملہ کے ارکان بھی شرکت فرمائیں گے)۔

۳۔ شام کے (۵) بجے وقفہ برائے چائے۔

نوٹ:۔ اگر ضرورت پیش آئے تو چائے کے وقفہ کے بعد بھی جلسہ جاری رہے گا۔

اتوار ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۰ء۔ عثمانیہ کالج، عبدالحق ہال

(۱) صبح میں (۹) بجے افتتاحی اجلاس (اس جلسہ میں شاخوں کے نمائندوں انجمن کے عام اراکین ہمدردوں کے علاوہ مجلس استقبالیہ کے اراکین بھی شریک ہوں گے)

(۲) دوپہر میں وقفہ برائے لنچ۔

(۳) سہ پہر میں (۲½) بجے سے (۵) بجے تک عام اجلاس۔

(۴) وقفہ برائے چائے۔

(۵) چھ بجے سے آٹھ بجے تک عام اجلاس۔ جس میں قراردادیں منظور کی جائیں گی۔

(۶) رات میں (۹) بجے سے جناب محمد حسین صاحب، پرنسپل عثمانیہ کالج کرنول کی صدارت میں ایک محفل شعر منعقد ہوگی۔ اس میں کرنول اور حیدرآباد کے ممتاز شعراء کے علاوہ اضلاع سے آنے والے مہمان شعراء بھی حصہ لیں گے۔ اس محفل شعر کے داعی جناب نامر کرنولی ہیں۔

• سری نیواس لاہوٹی معتمد

کرنول اردو کنونشن کی اہمیت

حیدرآباد:۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے معتمد تنظیم جناب سری نیواس لاہوٹی نے ایک صحافتی بات چیت میں کہا کہ انجمن کا سالانہ اجتماع جو اس سال ۱۲ر اور ۱۳ر دسمبر کو کرنول میں ہونے جا رہا ہے اردو مسائل کی یکسوئی کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہوگا۔

انھوں نے کہا کہ انجمن کی آندھرا پردیش کے (۲۱) اضلاع میں (۲۰) سے زائد شاخیں ہیں جن سے تنظیمی کام اور مقامی تعلیمی امور میں بڑی مدد ملتی ہے۔ تعلیمی امور سے متعلق وضاحت کرتے ہوئے جناب لاہوٹی نے بتایا کہ جماعتوں اور ٹیچرز کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس تعلق کی کوئی (۵۰) کارروائیاں انجمن کی طرف سے حکومت میں زیر دوران ہیں جن میں سے جنوری سنہ ۷۰ء سے اب تک (۳۰) کارروائیوں کی مناسب یکسوئی ہو چکی ہے پھر بھی سائنس کے اساتذہ کا مسئلہ ہنوز پیچیدہ ہے۔ معتمد تنظیم ریاستی انجمن نے سلسلہ بات چیت جاری رکھتے ہوئے کہا اس سال انجمن کی سب سے بڑی کامیابی اردو جونیر کالجس کا قیام ہے انجمن کے سالانہ اجتماع منعقدہ شدنی کرنول میں ۱۲ر اور ۱۳ر دسمبر کو تلنگو ریاست میں اردو کے موقف اور اس کے انتظامی ڈھانچے میں تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کی برقراری کے اہم ترین مسائل زیر بحث رہیں گے کیونکہ جہاں بھی دس فی صد اردو داں ہوں وہاں تلگو کے ساتھ اردو کو بھی باقی رکھا جانا چاہیے۔ انھوں نے کہا فروری سنہ ۷۱ء میں مردم شماری کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہے اس سلسلہ میں انجمن اردو والوں کے لسانی شعور کو بیدار کرنے کے لئے کوشاں ہے تاکہ وہ مادری زبان کی اہمیت سمجھ کر خانہ پری کے وقت مادری زبان اردو لکھوائیں اس سلسلہ میں انجمن ہینڈبلس اور پوسٹرز بھی تیار کر رہی ہے جسے سالانہ اجتماع میں شاخوں کے حوالے کیا جائے گا۔

مردم شماری کے کام کے لئے انجمن نے اپنی ایک سب کمیٹی بھی بنائی ہے جس میں نواب احمد علی خاں صدر ریاستی انجمن، پروفیسر حبیب الرحمٰن صاحب معتمد عمومی، عابد علی خاں صاحب شریک معتمد انجمن، ڈاکٹر حسینی شاہد اور سری نیواس لاہوٹی معتمد تنظیم شامل ہیں، اضلاع واری اساس پر کام کی تقسیم بھی انجمن نے سب کمیٹی میں کر دی ہے۔

• نامہ نگار

صدر انجمن ترقی اردو جڑچرلہ کا مطالبہ

جڑچرلہ:۔ مولوی محمد اعظم صدر انجمن ترقی اردو جڑچرلہ نے اپنے بیان میں کہا کہ ڈاکٹر بی رام کشن راؤ کالج جڑچرلہ میں اردو کے لکچرار کا عارضی طور پر تین ماہ قبل تقرر کیا گیا تھا انجمن ترقی اردو کی نمائندگی پر حکومت نے اردو لکچرار کی میقات میں توسیع کر کے قابل ستائش کام کیا ہے لیکن جڑچرلہ کے اس عظیم کالج میں اردو داں طلبہ کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے اور یہاں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے مقامی طور پر بھی اردو والوں اور انجمن ترقی اردو کا یہ مطالبہ ہے کہ اس کالج میں اردو لکچرار کی جائیداد کو مستقل کر دیا جائے تاکہ اردو زبان و ادب سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ تمام تعلیمی سال کے دوران یکسوئی کے ساتھ اپنے نصاب کی تکمیل کر سکیں۔

• رہنمائے دکن

جوگی پیٹھ - اردو جونیر کالجس

جوگی پیٹھ:- جناب محمد سردار حسین معتمد انجمن ترقی اردو شاخ جوگی پیٹھ نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ حکومت نے اردو جونیر کالجوں کے قیام کی منظوری تو دیدی ہے جیسا کہ اردو ہائی اسکولوں پر پی ادیل اردو پنڈت پوسٹ کی منظوری دے کر اردو تعلیم کا تحفظ کیا گیا ہے ویسے ہی اردو جونیر کالجوں میں ایم ادیل کو ایم لے کے مماثل تصور کر کے لکچرار پوسٹ کی منظوری کے لئے ارباب تعلیمات کو توجہ دلائی ہے۔ یہ مسئلہ ابھی حکومت کے زیر منظوری ہے۔ اس وقت اردو جونیر کالجوں میں اردو کی تعلیم کے لئے علحدہ اردو لکچرار کی سخت ضرورت ہے' اعلان کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اردو جونیر کالجوں میں اردو لکچرار کی کمی کے باعث بی اے بی ایڈ- بی ایس سی بی ایڈ' اساتذہ سے تدریس کا کام لیا جا رہا ہے۔ ان اساتذہ کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جا رہا ہے وہ اپنی یافت اصلی پر کام کر رہے ہیں ناظم تعلیمات نے ایسے اساتذہ کے لئے جو جونیر کالج میں لکچرار کی خدمت انجام دے رہے ہیں (۵۰) روپیہ الاونس کی حکومت کے پاس تحریک کی ہے۔

• رہنمائے دکن

نظام آباد میں انجمن ترقی اردو کا اجتماع

نظام آباد: انجمن ترقی اردو کا ایک اجتماع بصدارت جناب سید یوسف ایڈوکیٹ صدر ضلع انجمن ترقی اردو منعقد ہوا۔ مرزا وحید احمد بیگ معتمد ضلع انجمن نے مقامی اردو مسائل پر روشنی ڈالی۔ جناب سرینواس لاہوٹی معتمد تنظیم نے کرنول میں ہونے والے انجمن کے سالانہ اجتماع اور مردم شماری کی اہمیت واضح کی۔

مہمان خصوصی کی حیثیت سے اس اجتماع کو جناب عابد علی خاں شریک معتمد ریاستی انجمن نے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو اردو طلبہ کو بھی وہی سہولتیں دینی چاہئیں جن کا اس نے تلگو کے طلبہ کو دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

انھوں نے کہا انجمن کی کوشش سے ریاست میں اردو کے جونیر کالجس قائم ہو گئے ہیں مگر نہ نصابی کتب ہیں نہ اساتذہ کا برابر انتظام خاص طور پر سائنس کے لکچرز نہ ہونے سے اردو طلبہ کا بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کی اردو سے متعلق معلنہ پالیسی پر بروقت عمل نہ ہونے سے تعلیمات ضلع پریشد اور پنچایت سمیتوں میں اردو کی متوازی جماعتیں برابر قائم نہیں ہو رہی ہیں کہیں جماعت ہے تو ٹیچر نہیں اور کہیں ٹیچر ہیں تو کتب کا بندوبست نہیں چنانچہ اس سال کئی مدارس میں ایک بھی طالب علم کامیاب نہیں ہوا۔

جناب عابد علی خاں نے کہا اردو جماعتوں کے قیام میں بڑی رکاوٹ جگہ کی عدم فراہمی اور معلموں کا لزوم ہے اور ضلع پریشدوں میں یہ لزوم ہنوز برقرار ہے۔ اس کے علاوہ نظم ونسق اور عدالتوں میں اردو کی حیثیت منوانا ابھی باقی ہے۔

• رہنمائے دکن

اردو کو ریاست کی دوسری علاقائی زبان قرار دینے کا مطالبہ

سنگا ریڈی:- معتمد انجمن ترقی اردو سنگا ریڈی محمد حسین خاں نے حکومت آندھرا پردیش کے چیف منسٹر اور ڈپٹی چیف منسٹر سے اردو کو دوسری علاقائی زبان قرار دینے کی اپیل کی ہے انھوں نے اپنے بیان میں کہا کہ آندھرا پردیش میں تلگو بولنے والوں کے بعد اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ زبان کسی ایک فرقہ یا قوم کی نہیں بلکہ ہر طبقہ اور قوم میں بولی جانے والی زبان ہے۔ اردو ملک کی ترقی و تحفظ و قومی یکجہتی کو مستحکم کرنے کے لئے معاون ثابت ہوئی ہے۔ تحریک آزادی اور حصول آزادی کے بعد بھی اردو نے جو ملک و قوم کی خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہے۔

انھوں نے کہا کہ حکومت آندھرا پردیش کے متعدد تیقنات کے باوجود اردو کو آج تک اس کا جائز قانونی حق نہ مل سکا ہے حکومت آندھرا پردیش کو چاہئے کہ وہ فراخدلی سے کام لیتے ہوئے اردو کو دوسری علاقائی زبان قرار دے اور اردو بولنے والے طبقہ میں اپنی زبان کے تعلق سے جو ہراسانی پیدا ہو گئی ہے اسے دور کرے۔

• رہنمائے دکن

نارائن کھیڑ میں اردو ذریعہ تعلیم کے اساتذہ کی کمی

نارائن کھیڑ: انجمن ترقی اردو کے سرگرم رکن جناب محمد عبد الوہاب پٹیل نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ایک عرصہ سے یہاں اردو ذریعہ تعلیم کے اساتذہ کی کمی کے باعث تعلیمی ابتری کے نتیجہ میں اس سال امتحان ایس ایس سی کا نتیجہ حد درجہ مایوس کن رہا۔ اس پر طرفہ یہ کہ ہائی اسکولس سے اردو ذریعہ تعلیم کے دو دو مدرسین و معلمات کا تبادلہ کر دیا جا کر ان کی جگہ تلگو داں اساتذہ کی تعیناتی عمل میں آئی جس سے طالب علموں اور سرپرستوں میں سخت بے چینی اور مایوسی پیدا ہو گئی ہے صدر ضلع پریشد ضلع میدک سے اردو ذریعہ تعلیم کے اساتذہ کا عاجلانہ انتظام کرنے کا پرزور مطالبہ کیا گیا ہے۔

• رہنمائے دکن

اخبار و اذکار

یونیورسٹیوں میں علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے گا

نئی دلّی :۔ لوک سبھا میں مرکزی وزیر تعلیم پروفیسر وی کے آر وی راؤ نے اعلان کیا کہ یونیورسٹی میں علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں پارلیمنٹ نے جو پالیسی منظور کی ہے اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے انھوں نے کہا کہ یونیورسٹیوں میں علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے ساتھ ساتھ علم کے عظیم جہان میں داخل ہونے کے لئے انگریزی زبان کی تعلیم بھی ضروری ہے۔

علاقائی زبانوں کو ذریعہ امتحان بنانے کے سلسلہ میں انھوں نے دوسری زبانوں میں امتحانات کے پرچوں کے مسئلہ کا تذکرہ کیا اور کہا کہ کوئی بھی ریاست ایک زبان کی نہیں ہے لہٰذا اس مسئلہ کو حل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جناب راؤ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن پر بحث کا جواب دے رہے تھے۔

• الجمعیۃ

دلی میں اردو اور پنجابی کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے کا مطالبہ

نئی دلی :۔ اردو بلاشبہ دہلی کے عوام کی زبان ہے اس کو یہاں پوری سہولتیں ملنی چاہئیں۔ دہلی میں اردو کے ساتھ جو ناانصافی کی شکایت کی گئی ہے اس کے بارے میں پوری تحقیقات کی جائے گی۔ یہ اعلان محکمہ داخلہ سے متعلق مشاورتی کمیٹی میں وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے کیا۔ مولانا اسحاق سنبھلی نے مشاورتی کمیٹی میں ایک تجویز کے ذریعہ مطالبہ کیا تھا کہ دہلی میں اردو اور پنجابی کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔ تمام سرکاری دفاتر میں سرکاری اعلانات، وارنٹ، سڑکوں کے بورڈ اور دوسرے سرکاری امور اردو میں بھی ہوں جہاں پنجابی بولنے والے زیادہ ہوں وہاں پنجابی کو بھی یہی درجہ دیا جانا چاہئے انھوں نے شکایت کی کہ دلی جیسے اردو کے مرکز میں سرکار کے دئے ہوئے نوٹ کے مطابق صرف پانچ اسکول اردو کے ہیں مسلم علاقے کے مدرسوں کو اردو داں ٹیچروں سے محروم کردیا گیا ہے بچوں کے اردو مانگنے پر جواب دیا جاتا ہے کہ اسکول میں اردو کا کوئی انتظام نہیں ہے مولانا نے کہا کہ دہلی کے انتظام کی نگرانی مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے یہاں اردو کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی تو ریاستی حکومتوں کو اردو کے ساتھ ظلم کرنے کا مزید ایک بہانہ ہاتھ آجائے گا۔

انھوں نے مزید کہا کہ حیرت ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے باوجود اردو کو دلی کے اسکولوں میں جگہ نہیں مل رہی ہے۔ دفتروں اور سرکاری بورڈوں پر سے اردو کو ختم کیا جارہا ہے۔

وزیراعظم نے کہا کہ میرے پاس دہلی کے اسکولوں میں اردو کے ساتھ ناانصافی کی کافی شکایتیں آتی رہتی ہیں۔ مجھے تعجب ہے کہ سہ لسانی فارمولے کے باوجود اردو کی تعلیم کیوں نہیں دی جارہی ہے اردو کے ساتھ ناانصافی ہندوستان کے تمدن کے ساتھ ناانصافی ہے۔

جناب آر ایس۔ پنچ ہزاری ڈپٹی منسٹر جناب کول ممبر راجیہ سبھا اور دوسرے ممبروں نے بھی اردو کی پرزور حمایت کی۔ آخر میں وزیراعظم نے وعدہ کیا کہ اسکولوں میں اردو تعلیم کی سہولتوں کے علاوہ سرکاری استعمال میں بھی اردو کے متعلق پوری تحقیقات کی جائے گی۔

• الجمعیۃ دہلی

ہندوستان میں اردو کو اپنے رسم خط کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ہے

دلّی :۔ مشہور ادیب کرشن چندر نے ایک بیان میں کہا ہے کہ افرو ایشیائی رائٹرز کانفرنس میں اردو اور اس کے رسم خط کو بدلنے کے سلسلہ میں علی سردار جعفری، عصمت چغتائی اور کرشن چندر کی طرف سے کوئی تجویز پیش نہیں کی گئی یہ خبر بالکل شرانگیز اور بے بنیاد ہے میں کسی دوسرے کے ذاتی خیالات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر یہ میرا ملک ہے ہندوستان میں اردو کو اس کے رسم خط کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ہے اور یہ حق اسے ملنا چاہئے اور جو لوگ اردو کو اس کے اس حق سے محروم کردینا چاہتے ہیں وہ میری نظر میں ملک کے دشمن ہیں اور بقائے باہمی کے اصولوں کی نفی کرتے ہیں۔

• الجمعیۃ

فراق گورکھپوری کو بھارتیہ گیان پیٹھ انعام کی پیشکش

نئی دہلی :۔ ۲۰؍نومبر گیان بھون میں فراق گورکھپوری کو ان کی کتاب گل نغمہ پر بھارتیہ گیان پیٹھ کی طرف سے سنہ [illegible]ء کا انعام پیش کرنے کے لئے ایک تقریب منائی گئی اس میں ان کو ایک لاکھ روپیہ کا چیک پیش کیا گیا۔

اس موقع پر وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے تقریر کرتے ہوئے شاعروں اور ادیبوں سے کہا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف اپنے قلم کو استعمال کریں جو عدم رواداری اور مختلف فرقوں میں تعصب کا پرچار کرتے ہیں۔ اپنے اس کام سے وہ ملک کے باشندوں میں وسعت قلب اور وسعت نظر پیدا کرنے میں بڑے معاون ہوسکتے ہیں۔ فراق کے ادبی کارناموں کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ فراق ایران کی ادبی روایات

اور ہندوستانی تہذیب کی کلاسکی اقدار کے امتزاج کی نمائندگی کرتے ہیں فراق کا ہندی سے بھی ایسا ہی تعلق ہے جیسا اردو سے۔ وہ پورے ملک کے قومی شاعر ہیں اس سے پہلے تقریر کرتے ہوئے فراق نے کہا کہ کیا بات ہے؟ لوگ شاعروں سے محبت کرتے ہیں جب کہ ان کے اشعار سے زندگی کا کوئی بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ شاعر انسانیت کا پیغام دیتا ہے اور کھوئی ہوئی انسانیت کو پھر سے دلوں میں ابھارتا ہے۔ اسی سے اس کا کلام ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔

ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی گورنر یوپی نے جو بھارتیہ گیان پیٹھ کی سلیکشن کمیٹی کے چیرمین بھی ہیں کہا کہ فراق نے ادب میں ہندوستان کے بنیادی خصوصیات کو بحال کیا ہے۔

بھارتیہ گیان پیٹھ کی صدر مسز راما جین نے فراق کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کا یہ شعر پڑھا ؎

سنسار کی جس چیز کو چھو لیتا ہوں
ملتی ہے فراق اس میں اشکوں کی نمی

(ہندوستان ٹائمز)

لکھنؤ میں جشن اسلم منانے کی تیاریاں

لکھنؤ:- اردو کے ممتاز اور کہنہ مشق شاعر جناب اسلم لکھنوی کے اعزاز میں یہاں ایک جشن منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس موقع پر ایک سووینیر بھی شائع ہوگا جس میں ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر سلام سندیلوی، ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، جناب علی جواد زیدی، جناب نسیم قریشی، جناب زعبت کاکوروی، جناب صباح الدین عمر، مولانا اسحق سنبھلی، مولانا امداد صابری، جناب سعادت علی صدیقی، جناب احمد ابراہیم علوی اور جناب سلیم عمر وغیرہ اسلم لکھنوی کے فن اور شخصیت اور قومی و ملی خدمات پر روشنی ڈالیں گے:

حضرت اسلم لکھنوی کے ہم عصر ادیبوں و شاعروں اور دوستوں و شاگردوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی تخلیقات ۱۵ دسمبر تک سکریٹری جشن اسلم کمیٹی، نور منزل، مولوی گنج لکھنؤ۔ ۱ کے پاس ارسال فرما دیں۔

• ظہیر صدیقی جشن اسلم کمیٹی

قصبہ سندیلہ میں اردو کی تعلیم کے انتظام کی ضرورت

صوبائی وزیر تعلیم اور یوپی کے اردو بورڈ کے ممبر صاحبان کی توجہ کے لئے یہ گزارش ہے کہ قصبہ سندیلہ میں اردو داں حضرات کی ہمیشہ اکثریت رہی، اسی قصبہ میں پرائمری اسکولوں میں اردو کی زبوں حالی دیکھکر افسوس ہوتا ہے، قصبہ میں رہنے والے اپنے لڑکے لڑکیوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم دلانا چاہتے ہیں اس قصبہ میں ایک محلہ منڈی ہے جس میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک پرائمری اسکول ہے جو سندیلہ میونسپل بورڈ میں لڑکیوں کے لئے سب سے پہلا اسکول ہے، اس اسکول میں اردو، ہندی میڈیم دونوں ہیں۔ ہندی میڈیم کے لئے دو دو استانیاں ہیں، مگر اردو کی مناسب تعلیم کے لئے کسی طرح کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے جس کی وجہ سے سرپرستوں میں ایک خاص بے چینی ہے اسی سلسلہ میں عوام کی طرف سے متعدد بار نمائندگی کی گئی مگر آج تک اسکول میں اردو ٹیچر کا انتظام نہ ہو سکا۔

قصبہ میں قریب قریب لڑکوں کے آٹھ دس اسکول اور اسی تناسب سے لڑکیوں کے بھی ہیں اور ہر اسکول میں اردو پڑھنے، لکھنے والے لڑکے لڑکیوں کی تعداد اچھی خاصی ہے مگر اردو پڑھانے کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں ہے جبکہ ہم لوگ برابر ذمہ داران میونسپل بورڈ سے ملتے اور دھیان دلواتے رہے ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ سندیلہ میں اردو تعلیم کا معقول انتظام کرے۔

• سندیلہ کے اردو دوست

اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرکے تمام سہولتیں دینے کا مطالبہ

شہر کانگریس کمیٹی الہ آباد کی طرف سے ایک دو روزہ سیاسی کانفرنس سادھو لالا کے پارک میں زیر صدارت جناب ایس سی کھرے صاحب ہوئی جس کا افتتاح کملاپتی ترپاٹھی صدر اتر پردیش کیا۔ اس میں جناب فیروز احمد صاحب نے کہا کانفرنس مطالبہ کرے کہ اردو کو علاقائی زبان صوبہ کی بنایا جائے اور اردو پڑھنے والوں کو سہولتیں دی جائیں۔

اس صورت میں موجودہ عہد کے ادیبوں شاعروں افسانہ نگاروں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ ہم عصر ادب کا عرفان حاصل کرنے کے لئے تنقید کا سہارا لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تنقید تخلیقی روایتی مدرسانہ تنقید سے بھی مختلف ہوگی اور صحافتی یا میکانکی نظریاتی تنقید سے بھی مختلف۔ اس کام کے لئے روایتی تصورات، مسلمہ نظریات، طے شدہ رویوں اور رسمی راہوں کو ترک کرنا پڑے گا۔ جب تک تخلیق تنقید کی اساس نہ بنے یہ کام اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ جدید شاعر نقادوں نے تخلیق کو تنقید کی اساس بنانے کی کوشش کی ہے اور یہ ایک خوشگوار تبدیلی ہے جو ہمارے تنقیدی سرمایے کے افلاس کو دور کر سکتی ہے۔ مگر اس کے اپنے خطرات بھی کچھ کم نہیں۔

ہم عصر ادب کی تنقید سے زیادہ مشکل کام اور کوئی نہیں، اس لئے پہلے تو اس کام میں بہت سی دنیاوی مصلحتیں، مروتیں، تعلقات، تعصبات، ذاتی دوستیاں اور دشمنیاں حائل ہوتی ہیں۔ ان سے بلند ہو جائیں تب بھی کسی شاعر کے لئے اپنے سے مختلف نظریات یا مزاج رکھنے والوں کی شاعری کا معروضی محاکمہ دوسری دشواری کو سامنے لاتا ہے پھر پرانے تنقیدی رویوں سے آزادی بھی آسان نہیں۔ نقاد اور ادب کا استاد دونوں کے ادبی ذوق اور تنقیدی شعور کی اصل پہچان یہی ہے کہ وہ کسی ہم عصر ادب پارے کا معروضی انداز میں تجزیہ اور محاکمہ کرے۔ نظریاتی تنقید میں دفاتر سیاہ کرنے والوں کا بھرم یہیں کھلتا ہے۔ تنقید کے ادبی، فلسفیانہ، نفسیاتی، معاشرتی اور سیاسی نظریات سے واقفیت آسانی سے ہو جاتی ہے، ان پر لکھنا بھی مشکل نہیں۔ آزمائش کی گھڑی اس وقت آتی ہے جب ان نظریات کو زیر تنقید تخلیقی پارے سے اخذ کیا جائے یا اس پر ان نظریات کا پوری دیانتداری اور ادبی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے معروضی انداز میں اطلاق کیا جائے۔ ہمارے بہت سے محترم نقادوں کے ذوق و ذہن کا بھرم یہیں کھلتا ہے اور عام طور سے تامسکل درازی اور پڑھے لکھے علم کی نمونہ نظر آتی ہے، اپنی نظر کی بلندی کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ اسی مشکل سے بچنے کے لئے اساتذۂ ادب نصاب سے ہم عصر ادب کو خارج رکھنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔

ادب غیر پیشہ ور شاعروں اور ادیبوں کے لئے شوق فضول اور زیاں کا سودا ہے۔ دنیاوی معاملات میں مصلحت اندیشی تو قابل فہم بھی ہے اور قابل معافی بھی، لیکن ادب میں جو نہ دنیا کے کام آتا ہے نہ عاقبت کے، مصلحت اندیشی، بددیانتی اور مروت یا تعصب کسی طرح بھی قابل معافی نہیں۔ جب ادب سے اردو کے ادیب کو سوائے نام، شہرت یا رسوائی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا تو یہاں مصلحت اندیشی بے معنی ہے۔ نقاد اور شاعر دونوں کو اس معاملے میں زیادہ بے باک، حق بین اور معروضی ہونا چاہیے۔ لیکن ہماری ہم عصر تنقید میں بھی اس کی مثالیں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہیں۔ تنقید اور تخلیق کی دوئی کو ختم کرنے والے خود اپنی ذات کو تخلیق اور تنقید کے درمیان حائل کر دیں تو گویا ایک نئی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ آج جو مضامین رسائل میں شائع ہوتے ہیں، ان کی حسب ذیل قسمیں گنائی جا سکتی ہیں۔

۱۔ جدید ادب یا جدیدیت کو بندھا ٹکا فارمولا بنا کر اس میں وہی کچھ ڈھونڈنا جو خود تنقید نگار کی شاعری یا اس کے قریبی حلقے کی شاعری کو ہی جدید ثابت کر سکے۔ فارمولا سازی کی یہ بدعت ترقی پسند تنقید کی دین ہے اور اس سے انحراف کے باوجود ہمارے بیشتر شاعر اسی کے اسیر ہیں۔

۲۔ پہلے سماجی شعور پر مضامین لکھے جاتے تھے اب تنہائی، صنعتی شہروں کا مسئلہ، اقدار کی شکست ایسے مسائل کو جدید شاعری کا شناس نامہ سمجھ کر ان پر مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ مضمون نگار بیشتر مثالیں اپنی ہی شاعری سے دیتا ہے۔

۳۔ جدید شاعری کی مخالفت میں بھی اسی طرح کے یک رخے مضامین آتے ہیں۔ جیسے جدید شاعری مریضانہ کوشش کا منفی میلان یا "ابلاغ و ترسیل کا انکار" یا "ذہنی گمراہی اور انتشار" یا "مہملیت کا فروغ" وغیرہ۔ ان مضامین میں بھی ہر بحث کے موت، تنہائی، جسم روح، تشکیک، بے یقینی، تذبذب، شکست اقدار وغیرہ سے متعلق اشعار نقل کرکے تنقید نگار جدید شاعری پر فاتحہ پڑھ لیتا ہے۔

۴۔ وہ مضامین جن میں مضمون نگار کچھ شاعروں کو (شاعری کی خوبیوں یا خامیوں سے قطع نظر) جدید یا غیر جدید ہونے کا تمغہ عطا کرتا ہے۔ اس قبیل میں وہ مضامین بھی آتے ہیں جو مختلف ناموں کی بے معنی کھتونی ہوتے ہیں۔

۵۔ صحافتی تنقید جو چلتے ہوئے ادبی فیشنوں اور اصطلاحوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہر سال کیلنڈر کی طرح بدلتی رہتی ہے۔

۶۔ مراسلاتی تنقید: چند سطری خطوط سے لے کر کئی صفحات پر مشتمل تنقیدی مراسلات جن میں بغیر کسی دلیل یا مربوط بحث کے کسی کو اچھا یا کسی کو برا کہا جائے۔ موجودہ ادبی رسائل نے یہ بدعت اب اتنی عام کر دی ہے کہ اہم مباحث میں بھی سنجیدہ ادیب شرکت کرتے ہوئے کتراتے ہیں کیونکہ کوئی اعتبار نہیں کہ کب کوئی ہائی اسکول فیل لڑکا ان کے علم اور ادبی بصیرت پر کیچڑ اچھال دے۔

اس نوعیت کی ہم عصر ادبی تنقید ہماری تخلیق پر بھی منفی اثر ڈالتی ہے، خصوصاً نئے شعرا کو گمراہ کرنے اور فارمولوں کا اسیر بنانے میں اس قماش کی تنقید کا بڑا ہاتھ ہے۔ ہم عصر ادب کی تنقید، تنقید نگار کے حق میں ہر لحاظ سے زیاں کا کاروبار ہے کیونکہ اس کے نتائج بیشتر صورتوں میں خفگیوں، گالیوں، دشمنیوں اور خود اپنی شاعری کے متعلق متعصبانہ آرا کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اردو کے ادیب جو اپنے ہاتھوں اپنے اور بہتر معاش کے وسائل اور ذرائع مسدود کرکے ادب کی خدمت کا شوق فضول مول لیتے ہیں، اپنے اندر ذرا سی کوشش اور محنت سے اتنی ناعاقبت اندیشی جرأت بھی پیدا کر سکتے ہیں جو تمام مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر ہم عصر ادب کی تنقید کا حق ادا کر سکے۔

وحید اختر

میرا صفحہ

آزادی کے بعد اردو ادب میں جو خوشگوار تبدیلیاں آئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تنقید اور تخلیق کی دوئی ختم ہوئی ہے۔ تنقید جو پہلے چند پیشہ ور ناقدوں یا ادب کے استادوں ہی کا منصب سمجھی جاتی تھی، اب بجا طور پر تخلیق نگاروں کا کام بھی سمجھی جانے لگی ہے۔ اس تبدیلی کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ اب تنقید مغربی نظریات کو اردو کا لباس پہنانے یا چند فارمولوں کو میکانکی انداز میں قدیم و جدید ادب پر منطبق کر دینے سے آگے بڑھی ہے اور تخلیق کی مزاج شناسی پر زیادہ زور دیا جانے لگا ہے۔ اس تبدیلی میں ان شاعروں اور افسانہ نگاروں کا بڑا ہاتھ ہے جنھوں نے ادب کے بدلتے ہوئے مزاج کو سمجھنے اور خود اپنی تخلیقات کے دفاع کے لیے تنقید کو ایک موثر حربہ بنانے کی کوشش کی۔ آزادی کے بعد شاعر نقادوں کی بڑی تعداد سامنے آئی ہے، اسی مناسبت سے شاعری کی تنقید میں بھی نئے ابعاد پیدا ہوئے۔ افسانے کی تنقید اس لیے خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکی کہ خود افسانہ نگاروں نے ناول اور افسانے کی تنقید کا حق ادا کرنے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ ادب کے استادوں سے جو پیشہ ور نقاد سمجھے جاتے ہیں، ہم عصر ادب کے عرفان کا مطالبہ کرنا ایک حد تک درست ہے لیکن اس گروہ سے یہ توقع اس لیے پوری نہیں ہو سکتی کہ عام طور سے اساتذہ کا ذہن کتبی ہو جاتا ہے اور وہ بندھے ٹکے ڈھرے پر ہی چلنے میں اپنی اور اپنے طلبہ کی عافیت سمجھتے ہیں۔ آج بھی اس طرح کی روایتی تنقید لکھنے والوں کا پورا ایک گروہ موجود ہے جو نظم اور نثر پر کچھ لکھے تو وہی شبلی اور حالی کے بیان کیے ہوئے اصول یا ان کی تنقیدوں کے نمونے دہرانے ہی کو تنقید سمجھتا ہے۔ زور بیان، روانی، سادگی، فصاحت، بلاغت، جوش، تخیل کی بلند پروازی، محاکات کا استعمال وغیرہ ایسے پٹے ہوئے اصطلاحات ہی سے ہر ادب پارے کو پرکھنا یا تجزیہ کرنا میکانکی تنقید ہی کی ایک صورت ہے۔ میکانکی تنقید کی دوسری صورت یہ ہے کہ چند ادبی یا غیر ادبی نظریات بغیر ادب پارے کی روح تک اترتے ہوئے آنکھ بند کر کے چسپاں کر دیے جائیں۔ عام طور سے ہمارے ناقدین قدما کے سلسلے میں مسلمہ رایوں سے انحراف کفر سمجھتے ہیں۔ آج بھی ایسے اساتذۂ ادب کی اکثریت ہے جو میر کے کلام کو آہ اور سودا کے کلام کو واہ کہہ کر ان دونوں کی تفہیم کا حق ادا کر دیتے ہیں یا امتحانی کی کاپیوں سے لے کر رسائل میں چھپنے والے کتنی تنقیدی مضامین تک میں آنکھ بند کر کے وہی رائے دہرائی جاتی ہیں جو آزاد، حالی یا شبلی نے آج سے بہت پہلے دی تھیں۔

ایک بار چند شاعر دوستوں کی محفل میں میر اور غالب کی شاعری کا موازنہ ہو رہا تھا۔ ایک صاحب نے بڑے جوش سے میز پر گھونسا مارتے ہوئے (اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی) اور فرمایا کہ میں آنکھ بند کر کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میر غالب کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتے۔ غالب پرستی اپنی جگہ مگر غالب کی طرفداری کبھی بھی تنقید کا معیار نہیں بن سکتی۔ چنانچہ عرض کیا کہ تنقید کی سب سے پہلی شرط یہی ہے کہ آنکھیں بند رکھنے کے بجائے کھلی رکھی جائیں۔ پرانے ادب پر تو آنکھ بند کر کے تنقید کرنا اس لیے آسان ہے کہ بزرگ ہماری کچھ مشکلیں اس معاملے میں آسان کر گئے ہیں لیکن ہم عصر ادب کے سلسلے میں آنکھیں کھلی رکھے بغیر تنقید ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ روایتی مکتب کے استاد و ناقدین محض آنکھیں پھاڑ کر ہم عصر ادب کو دیکھنے اور پھر اس سے اپنی بیزاری کا اعلان کرنے ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے عافیت اسی میں ہے کہ 'جدید شاعری' کا خصوصی پرچہ پڑھانا ہو تو حالی سے شروع کر کے جوش پر ختم یا فیض پر جانے یا کسی نے بہت جرأت کی تو ترقی پسند شاعروں میں سے ایک دو کو پڑھ پڑھا لیا اور آج سے تیس برس پہلے کے ادب کو پڑھ کر اپنے تئیں جدید ادب سے ناواقفیت کا قرض اتار دیا۔ جن حضرات نے آج سے پچیس تیس یا پندرہ بیس برس پہلے تعلیم حاصل کی تھی، وہ سمجھتے ہیں کہ ادب کی تاریخ ان کی نصابی کتابوں پر ہی ختم ہے۔ چند دن قبل ایک بزرگ سے جو سائنس کے استاد ہیں، گفتگو میں جدید غزل زیر بحث آگئی۔ انھوں نے بڑی بیزاری سے ارشاد فرمایا کہ ہمارے پرانے اساتذہ میر، مصحفی، ذوق، غالب وغیرہ جن کیفیات و تصورات کے لیے جو الفاظ وضع کر گئے ہیں یا انھوں نے جو مضامین باندھے ہیں، وہ آج بھی ہر کیفیت، تصور اور مسئلے کے بیان کے لیے کافی ہیں، تو یہ جدید غزل گو اپنی طرف سے نئے مضامین تلاش کر کے کیوں ہماری شاعری کو خراب اور نئے اظہارات ایجاد کر کے زبان کا ستیاناس کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ڈالٹن کا نظریۂ جوہر یا نیوٹن کے کلیات حرکت آج کی کیمیا اور طبیعیات کو سمجھنے سمجھانے کے لیے کافی ہیں؟ آخر آئن اسٹائن ایسے بدبختوں کو کیا سوجھی جو انھوں نے نئے تصورات، نئی اصطلاحیں اور نئے مسائل ایجاد کر کے سائنس کو اور پیچیدہ بنا دیا؟" انھوں نے جواب دیا "نئے انکشافات کی روشنی میں کیمیا اور طبیعیات کے نظریات ہی نہیں بلکہ زبان میں بھی نئی اصطلاحوں کا داخل کرنا ضروری تھا"۔ میں نے یہ کہہ کر بحث تمام کی کہ آپ اسی روشنی میں نئی شاعری کو بھی نئے مضامین، مسائل اور نئی زبان پیش کرنے کا حق دیجیے۔ وہ چپ ہو گئے مگر مشکل یہ ہے کہ ہمارے ادب کے بیشتر اساتذہ و ناقدین چپ ہونے کے بجائے کج بحثی کو، آنکھیں کھولنے کے بجائے محض آنکھیں بند رکھنے یا آنکھیں پھاڑ دینے ہی کو بہتر سمجھتے ہیں۔

(باقی صفحہ ۹ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ۔ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L.922 فون نمبر ۲۹ R. NO. 2186/57